میاں محمد شفیع

# تحفظ ختم نبوت کا داعی

بچپن سے ہی میں مذہبی جلسوں میں جایا کرتا تھا۔ اور مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوتا۔ کئی علماء کرام کو سننے کو اتفاق ہوا۔ جو کیف و سرور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سے حاصل ہوتا وہ دیگر مواقع پر کم ہی نصیب ہوا۔ اگرچہ اور علماء بھی علمی اعتبار سے بحر بیکراں تھے لیکن تقریر کرنے کا ملکہ ایک قدرتی عطیہ ہے۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی شخصیت بڑی رعب دار تھی۔ گھنی داڑھی، گندمی رنگ، مناسب جسم، کشادہ چہرہ، ہاتھ میں اکثر عصا رکھتے۔ آواز سوز سے معمور تھی۔ اگر کسی وقت لاؤڈ سپیکر خراب ہو جاتا تو آپ کی آواز اتنی اونچی اور پاٹ دار تھی کہ دور بیٹھے ہوئے سامعین کو بھی صاف سنائی دیتی۔

جب تقریر کرتے وقت قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تو مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا اور لوگ عش عش کر اٹھتے۔ ہر ایک یہی چاہتا کہ مولانا قرأت جاری رکھیں اور وہ سنتے رہیں۔ فرمایا کرتے میری عمر کا بہت سا حصہ جیل میں گزرا یا ریل کے سفر میں۔ عمر بھر تحریک تحفظ ختم نبوت کے زبردست داعی رہے۔ اپنے مسلک پر چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ اس راہ میں قید و بند کے مصائب خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلے۔ یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ جو نصب العین عمر بھر ان کے پیش نظر رہا۔ بالآخر مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے پر منتج ہوا۔ اس طرح وہ جدوجہد جو عرصہ سے جاری تھی اور جس کی خاطر شمع رسالت کے بے شمار پروانوں نے جانوں کے نذرانے پیش کئے کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ایک دفعہ حاضرین کے سامنے اپنا اور مرزا غلام قادیانی کے کردار کا موازنہ پیش کیا۔ فرمایا کہ اگر مرزائی حضرات ایسے کردار کے مالک شخص کو نبی ماننے پر مصر ہیں تو پھر انہیں نعوذ باللہ نعوذ باللہ مجھے خدا ماننا پڑے گا۔ فروعی مسائل میں الجھنا پسند نہ کرتے۔ ایک شخص نے استفسار کیا کہ کیا مردہ افراد سنتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ مردوں کا کیا ذکر ہماری بات تو زندہ بھی نہیں سنتے۔

تقریر کرتے وقت سامعین کو رلاتے اور ہنساتے بھی۔ کئی معروف شعرائے کرام کے اشعار یاد تھے۔ تقریر کے دوران جہاں جہاں موضوع سخن تقاضا کرتا مناسب اشعار سناتے۔ اس سے ان کی تقریر کی چاشنی دگنی ہو جاتی۔

بذلہ سنج اور حاضر دماغ تھے۔ دہلی میں ایک جلسہ سے خطاب کر رہے تھے کہ سامعین میں سے ایک نے اٹھ کر پوچھا کہ مولانا آپ نے جو پچھلے سال کلکتہ کے قحط زدگان کے لئے چندہ جمع کیا تھا اس کا حساب دیں۔

مولانا نے فرمایا کہ ہم سے حساب کا تقاضا ایسے حضرات کرتے ہیں جنہوں نے بذات خود کسی نیک کام کے لئے ایک دھیلا بھی نہیں دیا ہوتا۔ سوال کنندہ سے کہا کہ وہ حلفاً بیان کریں کہ اس نے کتنا چندہ دیا تھا۔ اس پر وہ خاموش رہا اور کھسیانا ہو کر بیٹھ گیا۔ شاہ جی نے فرمایا کہ ہم حساب دیں گے ضرور لیکن قیامت کے دن احکم الحاکمین کو۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

لاہور میں موچی دروازہ کے باہر ایک پر ہجوم جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا لاہوریو! میں تم سے خوب واقف ہوں۔ تقریر تم میری سنتے ہو اور ووٹ مسلم لیگ کو دیتے ہو۔ میری تقریر پر تعریف کے ڈونگرے برساتے ہو اور کہہ اٹھتے ہو واہ اور جب میں پابند سلاسل کیا جاتا ہوں تو تم کہتے ہو آہ۔ اس آہ اور واہ میں میں ہو گیا تباہ۔ (لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ہماری آہوں اور جہد مسلسل سے کتنوں کے مقدر سنور گئے) گویا۔۔۔۔

جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شب ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے

ایسا کئی بار ہوا کہ شاہ جی نے اپنی تقریر کا آغاز عشاء کی نماز کے بعد کیا اور جب سحر کی اذان فضا میں بلند ہوئی تو آپ نے اپنا بیان ختم کیا۔ اس طویل دورانیے میں مجمع سحر زدہ رہتا اور ان کی تقریر سننے میں اتنا محو کہ بوریت یا نیند اس کے نزدیک نہ بھٹکتے۔

خفیہ پولیس کا سٹاف سایہ کی طرح ان کے تعاقب میں رہتا۔ ایک مرتبہ کسی گاؤں میں تقریر کرنے جا رہے تھے۔ ٹانگے پر ایک اور شخص ان کا ہمسفر تھا۔ شاہ جی نے بھانپ لیا کہ یہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔ جب ٹانگے سے نیچے اترے تو اس شخص سے کہا کہ کتابوں کا بھاری بنڈل جو وہ اپنے ساتھ لئے ہوئے ہیں پیرانہ سالی کے سبب وہ اسے اٹھانے سے معذور ہیں۔ اس لئے کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اسے اٹھا لے [redacted] فلاں گاؤں تک جو وہاں سے تین میل دور ہے پہنچا دے۔ اس نے بادل نخواستہ حامی بھر لی۔ جب منزل مقصود پر پہنچے تو ساتھی تھکاوٹ کے مارے نڈھال ہو چکا تھا۔۔۔

جب مملکت پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو شاہ جی نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ اور ان کی جماعت اس نوزائیدہ اسلامی سلطنت کا دل و جان سے دفاع کریں گے۔

مولانا نے طویل عمر پائی جب انتقال فرمایا تو انکے جسد خاکی کو ملتان کی سرزمین نے جس میں اور بھی کئی علم و معرفت کے درخشندہ ستارے آسودہ خاک ہیں اپنی آغوش میں لیا۔

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

("صدف ریزے" صفحات ۸۶ تا ۸۹)